AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

یورپ میں جدید جنسی انقلاب: جنسی تعلیم کے نظریاتی، سماجی واخلاقی اثرات کا تجزیہ

THE MODERN SEXUAL REVOLUTION IN EUROPE: AN ANALYSIS OF THE IDEOLOGICAL, SOCIAL, AND MORAL IMPACTS OF SEX EDUCATION

Dr.Abdul Rahman
Assistant Lecturer Department of Islamic Studies,University of Gujrat,Gujrat Pakistan
Onlyimran2010@gmail.com

Dr.Shafique Ahmad Toor
Assistant Professor,Department of Islamic Studies Sub Campus University of Gujrat, Mandi Bahauddin, Pakistan
shafiqtoor2@gmail.com

Abstract
The modern European society has, over the past few centuries, undergone profound intellectual, cultural, and social transformations that have impacted nearly every aspect of human life. Among these, one of the most prominent and controversial developments is the "Sexual Revolution," which emerged in the mid-20th century in the West—particularly in Europe—and sought to redefine gender relations, the family structure, moral standards, educational curricula, and individual identity.This movement was not merely about sexual freedom or progressive behavior; rather, it was rooted in a deep philosophical and ideological background encompassing secularism, existentialism, liberalism, and Marxist thought. The sexual revolution did not simply signify a cultural shift—it presented itself as a comprehensive worldview in which the individual was granted absolute freedom of sexual expression, regardless of its implications for society, family, or morality.Sex education, as implemented across schools and universities in the West, represents the practical extension of this revolution. Its purpose is to instill in the younger generation a consciousness of sexuality and a sense of freedom that is free from all social or religious constraints. It promotes the notion that individuals should be autonomous in matters of sexual identity and behavior.However, the social and moral consequences of this approach have become a subject of intense debate in recent years. This article aims to explore the background of the sexual revolution in Europe within its historical and intellectual context, analyze the foundational principles and objectives of sex education, and critically examine the resulting social and ethical challenges. An Islamic critical perspective will also be incorporated to evaluate the extent to which modern Western sexual concepts align with human nature, morality, and social balance—or whether they are, in fact, contributing to social disintegration and moral decline.

Keywords: Sexual Revolution, Ideological, Sex Education, Disintegration, Philosophical, Liberalism, Existentialism

جدید یورپی معاشرہ گزشتہ چند صدیوں سے فکری، تہذیبی اور سماجی سطح پر ایسی انقلابی تبدیلیوں سے گزر رہا ہے جنہوں نے انسانی زندگی کے تقریباً ہر پہلو کو متاثر کیا ہے۔ ان میں سے ایک نہایت نمایاں اور متنازعہ تبدیلی "جنسی انقلاب (Sexual Revolution) "ہے، جو بیسویں صدی کے وسط میں مغرب، بالخصوص یورپ، میں نمودار ہوا اور اس نے صنفی تعلقات، خاندانی نظام، اخلاقی معیارات، تعلیمی نصاب اور فرد کی ذاتی شناخت کو از سر نو تشکیل دینے کی کوشش کی۔ اس تحریک کا تعلق صرف جنسی آزادی یا جدید رویّوں سے نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک گہرا فلسفیانہ و نظریاتی پس منظر موجود ہے جس میں سیکولرزم، وجودیت(Existentialism) ، لبرل ازم، اور مارکسی فکر جیسے مکاتبِ فکر شامل ہیں۔ یہ انقلاب محض تمدنی تبدیلی کا مظہر نہیں بلکہ یہ ایک مکمل نظریۂ حیات کے طور پر سامنے آیا ہے، جس میں انسان کو اپنی جنسی خواہشات کے اظہار کا مطلق حق دیا گیا ہے، خواہ اس کا اثر معاشرت، خاندان، یا اخلاقیات پر کچھ بھی ہو۔ مغرب میں رائج ہونے والی جنسی تعلیم (Sex Education) اسی انقلاب کی عملی توسیع ہے، جسے اسکولوں اور جامعات کے نصاب میں شامل کر کے نئی نسل کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔ اس تعلیم کا مدعا یہ ہے کہ فرد

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جنسی شعور و آزادی کا حامل بنے اور اسے ہر قسم کی سماجی یا مذہبی قید سے آزاد کیا جائے۔ تاہم، اس کے سماجی و اخلاقی اثرات آج ایک شدید بحث کا موضوع بن چکے ہیں۔ اس کا مقصد یورپ میں جنسی انقلاب کے پس منظر کو تاریخی و فکری سیاق و سباق کے ساتھ سمجھنا، جنسی تعلیم کی بنیادوں اور اغراض و مقاصد کا تجزیہ کرنا، اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے سماجی و اخلاقی مسائل کو علمی تناظر میں پرکھنا ہے۔ اس تجزیے میں اسلامی تنقیدی زاویہ بھی شامل کیا جائے گا تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ جدید مغربی جنسی تصورات کس حد تک انسان کی فطرت، اخلاق اور معاشرتی توازن سے ہم آہنگ ہیں یا اس کے برعکس انحراف اور زوال کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

یورپ میں جنسی انقلاب کے فکری اور تاریخی اسباب

یورپ میں جدید جنسی انقلاب ایک طویل فکری، مذہبی اور سائنسی تبدیلی کا نتیجہ ہے۔ اس کی جڑیں نشاۃ ثانیہ، اصلاحِ مذہب، اور سائنسی انکشافات میں پیوست ہیں، جنہوں نے مغربی دنیا کے مذہبی، سماجی اور اخلاقی ڈھانچے کو بدل کر رکھ دیا۔ ان تبدیلیوں نے فرد، عقل، آزادی اور مادیت پرستی کو مرکزی حیثیت دی، جس کے نتیجے میں جنسی اخلاقیات میں انقلاب برپا ہوا۔

نشاۃ ثانیہ اور علم کا نیا تصور

قرونِ وسطیٰ میں کلیسا کا مذہبی اور علمی غلبہ یورپ میں ناقابلِ چیلنج سمجھا جاتا تھا، لیکن تیرہویں صدی سے علم اور عقل کی بنیاد پر نئے رجحانات ابھرنے لگے۔ روجر بیکن (1214–1292ء) اور البرٹس میگنس (1200–1280ء) نے مشاہدے اور تجربے کو علم کا ماخذ قرار دے کر کلیسائی نظریات کو چیلنج کیا۔ تھامس اکیناس (1225–1274ء) نے عیسائیت کو ارسطو کی معروضی فکر کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، جس سے عقل اور وحی کے درمیان مفاہمت کا رجحان پیدا۔[1]

نشاۃ ثانیہ کے دور میں اطالیہ میں انسانی علم، فنونِ لطیفہ، اور انفرادی شعور کو مرکزیت حاصل ہوئی۔ اراسمس (1466–1536ء) جیسے انسان دوست مفکرین نے عیسائی علماء اور کلیسائی اداروں کی علمی خامیوں اور اخلاقی گراوٹ پر تنقید کی، جس سے مذہب کی اخلاقی ساکھ کمزور ہوئی۔[2]

اصلاحِ مذہب اور مذہبی ڈھانچے کی شکست

مارٹن لوتھر (1483–1546ء) نے کلیسا کی روحانی و مالی اجارہ داری کے خلاف آواز بلند کی۔ اُن کے نزدیک بائبل کی تشریح کا حق ہر فرد کو حاصل ہونا چاہیے، اور نجات کلیسائی رسومات کے بغیر ممکن ہے۔ لوتھر کی تحریک نے مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دے کر مذہبی بالادستی کو چیلنج کیا۔[3]

یہ اصلاحی تحریک سیاسی بنیادوں پر پھیل گئی۔ جرمنی کے چھوٹے ریاستی حکمرانوں نے اس کی حمایت کی تاکہ کلیسا کے سیاسی اثر کو ختم کیا جا سکے۔ اس کے نتیجے میں قومی کلیسا وجود میں آئے اور مذہب، ریاست اور قومیت کا تابع بن گیا۔

سائنسی انکشافات اور کلیسا کی شکست

کوپرنیکس (1473–1543ء) نے سورج کو نظامِ شمسی کا مرکز قرار دے کر کلیسا کے جغرافیائی نظریات کی نفی کی۔ اس کے بعد گیلیلیو، کیپلر اور نیوٹن جیسے سائنسدانوں نے مادی کائنات کی عقلی توضیح کی بنیاد رکھ دی، جس سے سائنسی فکر نے مذہبی تعلیمات پر برتری حاصل کر لی۔ سائنس کا زور اتنا بڑھا کہ مذہب کو صرف انفرادی یا اخلاقی دائرے تک محدود کر دیا گیا، اور مابعد الطبیعیاتی حقائق کو ناقابلِ فہم یا غیر ضروری سمجھا جانے لگا۔[4]

---

[1] ہوا۔ ایسٹین گلزون، تھامس اکیناس کی عیسائی فلسفہ، ترجمہ: احمد فاروق، (لاہور: ادارہ علوم اسلامی، 2001)، ص112

[2] چارلس نوئرٹ، یورپ میں نشاۃ ثانیہ کی ثقافت اور انسان دوستی، ترجمہ: خرم یاسین، (کراچی: دارالعلم، 2015)، ص86

[3] مارٹن لوتھر، جرمن قوم کے نام خطاب، ترجمہ: طاہر محمود، (اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف کرسچن اسٹڈیز، 1999)، ص33

[4] پیٹر گے، عہدِ تنویر: ایک فکری تجزیہ، ترجمہ: ڈاکٹر حسن جاوید، (کراچی: شعورِ جدید پبلیکیشنز، 2010)، ص45

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

آزادی، عقلیت اور جنسی اخلاقیات کا تغیر

اصلاحِ مذہب کے اثرات سے عقل، مساوات اور انفرادی آزادی جیسے نظریات کو اعلیٰ اخلاقی حیثیت حاصل ہوئی۔ یہ اقدار رفتہ رفتہ مذہبی اقدار کی جگہ لینے لگیں۔ مذہب اب مکمل سچائی کے بجائے ایک ذاتی رجحان بن گیا۔ اس فکری آزادی نے جنسی اخلاقیات کو بھی متاثر کیا، اور جنسی رویے انفرادی پسند کا معاملہ بن گئے۔ وکٹورین دور کی سخت جنسی حدود رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئیں، اور بیسویں صدی میں جب سوشل سائنسز، نفسیات، اور حقوقِ نسواں کی تحریکات نے زور پکڑا تو جنسی انقلاب اپنے نقطہ عروج پر پہنچا۔

نشاۃ ثانیہ :(Renaissance) آغاز، مفہوم اور اثرات

نشاۃ ثانیہ کا آغاز چودھویں صدی میں اٹلی سے ہوا، جو رفتہ رفتہ پورے یورپ میں پھیل گیا۔ "نشاۃ ثانیہ" کا مطلب ہے "دوبارہ احیاء" یا "نئی زندگی کا آغاز"، جس سے مراد قدیم یونانی و رومی علوم و فنون کی تجدید ہے۔ مگر اس کا گہرا فکری مطلب یہ ہے کہ وحی اور نقلی علوم کو غیر عقلی اور پرانا قرار دے کر عقل، تجربہ، اور انسانی خود مختاری کو علم کا بنیادی ماخذ مان لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کو "انسان پرستی (Humanism) " بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کا مرکز و محور **انسان** اور اس کی عقل، جمالیات، تخیل اور جسمانی دنیا تھی، نہ کہ خدا، وحی یا مابعد الطبیعات۔ نشاۃ ثانیہ کے اہم فنکار اور مفکرین میں لیونارڈو ڈووِنچی(Leonardo da Vinci) ، مائیکل انجیلو(Michelangelo) ، اور رافائیل (Raphael) شامل ہیں۔ ان فنکاروں نے انسانی جسم، جمالیات، فطرت اور دنیاوی حیات کو اپنے فن کا موضوع بنایا، اور یوں روحانیت و مذہب کی جگہ مادیت، دنیا پرستی، اور انسانی عظمت کے تصورات کو رواج دیا۔

نشاۃ ثانیہ کے ساتھ ساتھ جدیدیت (Modernity) کی بنیادیں بھی رکھی گئیں، جن کا مرکزی نعرہ یہ تھا کہ:

"انسان عقل اور تجربے کے ذریعے اپنی تقدیر خود متعین کر سکتا ہے، اسے مذہب یا آسمانی ہدایت کی ضرورت نہیں"۔[5]

یونانی علوم کی فوقیت، انسان پرستی اور مغرب میں تصورِ دنیا کی تبدیلی

نشاۃ ثانیہ اور اصلاحِ مذہب کی تحریکوں کے بعد مغرب میں فکری و نظریاتی تبدیلیاں گہری ہو گئیں۔ **ی**ونانی فلسفے اور علوم کو دینی متون اور مذہبی تعلیمات پر فوقیت دی جانے لگی۔ علم کا ماخذ وحی کی بجائے انسانی عقل، مشاہدہ اور تجربہ قرار پایا۔ اس سوچ نے مغربی دنیا کو **و**حی پر مبنی تصورِ علم سے ہٹا کر محض حسی اور تجرباتی بنیادوں پر قائم علم کی طرف مائل کر دیا۔ اس فکری انقلاب کا ایک مظہر فرانسس بیکن (Francis Bacon, 1561–1626) کی علمی کاوشیں ہیں۔ بیکن نے "فطرت (Nature) " کو سمجھنے کو علم کا اصل ذریعہ قرار دیا اور یہ نظریہ پیش کیا کہ:

"انجیل اور فطرت، خدا کی دو کتابیں ہیں، اور ان میں سے فطرت کا مطالعہ ہمیں زیادہ قابلِ اعتماد نتائج فراہم کرتا ہے[6]"

بیکن نے تجرباتی سائنس (Empiricism) اور سائنسی طریقِ کار (Scientific Method) کو فروغ دیا۔ اس کے مطابق علم کا حصول محض عقل یا نقلی دلائل سے نہیں بلکہ مشاہدے، تجربے اور نتیجہ اخذ کرنے کی منطقی صورتوں سے ممکن ہے۔

گیلیلیو (Galileo Galilei, 1564–1642) نے بھی یہی مؤقف اختیار کیا کہ انجیل کو "فطرت کی زبان" میں سمجھا جائے، یعنی کتابِ فطرت کے اصولوں سے مذہب کی تعبیر کی جائے، نہ کہ الٹا۔

ان نظریات کے نتیجے میں مذہب کو نجی، جذباتی اور رسمی معاملہ بنا دیا گیا، جبکہ سائنس، عقل اور تجربہ کو صداقت کا معیار قرار دیا گیا۔ اس کے اثرات کچھ یوں مرتب ہوئے:

- وہ علوم جو مابعد الطبیعات(Metaphysics) ، وحی یا غیر حسی حقائق پر مبنی تھے، بیکار اور غیر سائنسی قرار پائے۔
- صداقت (Truth) اور مطلق حق (Absolute Truth) کے تصور کو شک اور تشکیک میں بدل دیا گیا۔
- معرفت اور حکمت کی جگہ تکنیکی ترقی (Technology) کو کامیابی کا معیار بنایا گیا۔

---

[5] سلیم احمد، جدیدیت اور انسان پرستی، (لاہور: ادارہ فکر و دانش، 2005)، ص 45

[6] Jacob Bronowski, The Ascent of Man, (Boston: Little, Brown and Company, 1973), p. 120

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اس تبدیلی کا ماحصل یہ تھا کہ مغربی معاشرہ مذہب سے ہٹ کر سیکولر اور سائنسی اندازِ فکر کی طرف مڑ گیا۔ اب انسان پرستی (Humanism)، سائنس پرستی (Scientism) اور تشکیک (Skepticism) مغربی فکر کا حصہ بن چکے تھے۔ مشہور مغربی مفکرین کے مطابق یہ تبدیلی "Dark Ages" سے نکل کر "Age of Enlightenment" کی طرف قدم تھا، لیکن درحقیقت یہ دینی مرکزیت سے انحراف اور دنیا پرستی کی طرف رجحان تھا۔

جدید انقلابات اور مغرب میں سماجی تبدیلیوں کا آغاز

صنعتی ترقی اور اس کے سماجی اثرات

انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں برطانیہ میں صنعتی ترقی نے نہ صرف اقتصادی ڈھانچے کو متاثر کیا بلکہ مغربی معاشروں میں گہرے سماجی تغیرات کا باعث بھی بنی۔ دھات سازی اور مشینری کی ایجادات نے پیداوار کے طریقوں میں انقلابی تبدیلی پیدا کی، جس کے نتیجے میں روایتی سماجی ڈھانچے کمزور ہونے لگے۔ اس صنعتی پیش رفت نے مرد و عورت کے روایتی کرداروں پر سوالات اٹھائے اور ان کے درمیان سماجی تعامل میں اضافہ ہوا۔ خاص طور پر جنگوں کے بعد پیدا ہونے والے معاشی بحرانوں نے عورت کو مزدوری کی منڈی میں لا کھڑا کیا، جس سے اختلاط مرد و زن کی نئی شکلیں سامنے آئیں۔ 1960ء کی دہائی تک مغربی معاشرے میں خواتین کے حقوق اور ان کی سماجی حیثیت سے متعلق نئے مباحث نے جنم لیا، جن میں صنفی مساوات، معاشی خود مختاری اور خاندانی کردار کی از سر نو تشکیل کے مطالبات شامل تھے۔ یوں صنعتی انقلاب نے عورت کو صرف گھر کی چار دیواری تک محدود رکھنے کے نظریے کو عملاً ختم کر دیا۔[7]

امریکی انقلاب اور سیکولر ریاست کی تشکیل

1775ء سے 1783ء تک شمالی امریکا کی تیرہ نوآبادیات نے برطانیہ کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی، جس میں انہیں فرانس کی بھرپور حمایت حاصل رہی۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں "ریاستہائے متحدہ امریکا" کی بنیاد رکھی گئی۔ امریکی بانیوں نے فرانس کے انقلابی اصولوں یعنی آزادی، مساوات اور اخوت کو اپناتے ہوئے ایک ایسی ریاست قائم کی جس میں مذہب اور حکومت کو الگ کر دیا گیا۔ انہیں خدشہ تھا کہ اگر مذہب کو ریاستی طاقت حاصل ہوئی تو وہ افراد کی آزادی پر قدغن لگا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا میں چرچ کو ریاستی معاملات سے الگ رکھنے کی روایت مستحکم ہوئی۔ چونکہ امریکی معاشرہ پروٹسٹنٹ اکثریت پر مشتمل تھا، اس لیے سیکولرازم کے اصول وہاں زیادہ قبولیت کے حامل بنے۔[8]

فرانسیسی انقلاب اور نئی معاشرتی اقدار

اٹھارہویں صدی کے اختتام پر، فرانس جو کہ اس وقت یورپ کا سب سے ترقی یافتہ اور متمدن ملک تصور ہوتا تھا، شدید سیاسی و سماجی بحران کا شکار ہوا۔ 1789ء سے 1794ء تک جاری رہنے والے فرانسیسی انقلاب نے بادشاہت کا خاتمہ کر کے آزادی، اخوت اور مساوات جیسے تصورات کو فروغ دیا۔ یہ تصورات ابتدا میں محض سیاسی مساوات اور قانونی برابری کے لیے متحرک کیے گئے تھے، تاہم جلد ہی ان کا اطلاق سماجی و جنسی سطح پر بھی ہونے لگا۔ تعلیم، جنسی آزادی، خواتین کے حقوق، اور سماجی خدمات میں مساوی مواقع کی تحریکیں انہی اقدار کا تسلسل تھیں۔ یہ صورت حال یورپ میں وکٹورین اخلاقیات کے خلاف ایک شدید ردعمل کے طور پر سامنے آئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان انقلابی اصولوں میں مارٹن لوتھر کی مذہبی اصلاحات سے خاصی مشابہت پائی جاتی ہے، جس کے باعث پروٹسٹنٹ چرچ نے ان جدید اقدار کو قبول کرنے میں نسبتاً آسانی محسوس کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپ میں ہم جنس شادیوں اور ہم جنس پادریوں کی تقرری جیسے اقدامات چرچ کے اداروں کی طرف سے بھی قبول کیے جا چکے ہیں۔

سامراجیت کا عروج اور اس کے عالمی اثرات (1870ء–1914ء)

انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے آغاز میں یورپی اقوام نے دنیا کے مختلف حصوں پر غلبہ پانے کے لیے جس حکمت عملی کو اختیار کیا، اسے سامراجیت یا استعماریت کہا جاتا ہے۔ سامراج کا مطلب یہ تھا کہ ایک طاقتور ملک دوسرے کمزور ممالک پر سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی اور تہذیبی پہلوؤں سے مکمل بالادستی

[7] Eric Hobsbawm, *Industry and Empire: The Birth of the Industrial Revolution*, (London: Penguin Books, 1999), 45-67.
[8] Bernard Bailyn, *The Ideological Origins of the American Revolution*, (Cambridge: Harvard University Press, 1967), 98-114.

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

حاصل کرے۔ صنعتی انقلاب اور نشاۃ ثانیہ کے نتیجے میں یورپی ممالک، خصوصاً برطانیہ، عسکری و سائنسی لحاظ سے ترقی یافتہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے کئی علاقوں کو نوآبادیات میں تبدیل کر کے ان کے وسائل کا بے دریغ استحصال شروع کیا۔ ان علاقوں کا تعلیمی نظام بدل کر مذہب بیزار مغربی افکار رائج کیے گئے تاکہ مقامی شناخت مٹ جائے اور استعمار کی فکری بالادستی قائم ہو۔ یہی وہ نظریاتی تسلط تھا جس کے ذریعے علوم کی نئی تعریفات مرتب کی گئیں، اور اسلامی تہذیب کے مرکز یعنی برصغیر میں بھی دینی و اخلاقی تصورات، خصوصاً جنسی تعلیم، قرآن و سنت سے کاٹ دی گئی۔[9]

سرمایہ دارانہ نظام اور جنسی آزادی کی تحریک

سرمایہ دارانہ نظام کا ظہور صنعتی انقلاب کے بعد ہوا، جب معیشت کا مرکز زراعت سے ہٹ کر صنعت کی طرف منتقل ہو گیا۔ اس تبدیلی نے خاندانی اور معاشرتی ڈھانچوں میں بھی بڑی تبدیلیاں پیدا کیں۔ سرمایہ دارانہ نظریہ انسانی فطری خواہشات، بالخصوص جنسی جذبات، کو فروغ دیتا ہے تاکہ صارفیت کو بڑھایا جا سکے۔ اس نظام نے جنسیت کو کاروبار کا حصہ بنا کر کنڈوم، مانع حمل ادویات اور فحش مواد جیسے ذرائع کے ذریعے معاشرتی رویوں میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کیں۔ عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات کے نام پر خاندانی نظام کو کمزور کیا گیا اور جنسی آزادی کے نئے رجحانات کو فروغ دیا گیا۔[10]

روسی انقلاب اور سوشلسٹ جنسی نظریات

1917ء میں روس میں لینن کی قیادت میں سوشلسٹ انقلاب برپا ہوا، جس کے نتیجے میں مزدوروں کی حکومت قائم ہوئی اور دنیا میں پہلی مرتبہ ایک سوشلسٹ ریاست وجود میں آئی۔ اس انقلاب نے نہ صرف معاشی نظام کو متاثر کیا بلکہ سماجی اور جنسی اقدار کو بھی نئے زاویے دیے۔ روسی سوشلسٹ خواتین نے عورتوں کی آزادی کو محض سماجی مطالبہ نہیں بلکہ ایک سیاسی و معاشی جدوجہد کا حصہ سمجھا۔ فرائیڈرک اینگلز کی معروف تصنیف *The Origin of the Family, Private Property and the State* میں اس امر کو واضح کیا گیا کہ عورت پر ظلم کا تعلق طبقاتی نظام سے ہے۔ سوشلسٹ نسوانیت نے مرد و زن کے درمیان روایتی تعلقات کو چیلنج کیا اور صنفی مساوات کے نئے معیار متعین کیے۔[11]

عالمگیریت اور سیکولر جنسی اقدار

جب سامراجی طاقتوں نے عالمی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام کو مسلط کیا تو اس کے ساتھ عالمگیریت کے اصول بھی متعارف کروائے گئے۔ اس نئے نظام نے نہ صرف معاشی پہلوؤں کو متاثر کیا بلکہ تہذیبی و اخلاقی نظریات کو بھی یکساں کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر خالد علوی کے مطابق عالمگیریت کا مقصد ایسی تہذیب کو فروغ دینا ہے جو سرمایہ دارانہ مفادات کی محافظ ہو اور مقامی ثقافتوں کو مغربی اقدار کے تابع کر دے۔ اقوام متحدہ جیسی عالمی تنظیمیں ان سیکولر جنسی نظریات کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کر رہی ہیں، تاکہ دنیا کے ہر کونے میں ایک جیسی جنسی اخلاقیات رائج کی جا سکیں۔[12]

تحریک نسواں اور عورتوں کی جنسی آزادی

عورتوں کی آزادی کی تحریک کا آغاز اگرچہ برابری اور انصاف کے نعروں کے تحت ہوا، تاہم بیسویں صدی میں اس نے جنسی آزادی کے نظریات کو بھی اپنا حصہ بنا لیا۔ نیشنل آرگنائزیشن فار ویمن (NOW) جیسے ادارے اس تحریک کے سرخیل تھے جنہوں نے نہ صرف عورتوں کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک کے خلاف آواز اٹھائی بلکہ روایتی خاندانی نظام کو بھی چیلنج کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب عورتیں بڑی تعداد میں فیکٹریوں میں کام کرنے لگیں تو انہیں گھر اور کام دونوں کا بوجھ اٹھانا پڑا۔ اس دوہری ذمہ داری کے باعث عورتیں معاشی و نفسیاتی دباؤ کا شکار ہوئیں۔ ایسے میں جنسی مساوات اور آزادی کی تحریکیں ابھریں۔ ہیلی گرلی براؤن کی کتاب

---

[9] اکرم، محمد. تاریخ عالم کا مطالعہ. لاہور: مکتبہ دارالعلوم، 2010، ص78

[10] نذیر، خالد. سرمایہ داری اور جنسی اخلاقیات. لاہور: ادارہ علم و دانش، 2015، ص45

[11] رضوی، علی احمد. انقلاب روس اور جدید نظریات. کراچی: انجمن ترقی اردو، 1998، ص210

[12] علوی، خالد. عالمگیریت اور اسلامی تہذیب. اسلام آباد: ادارہ فکر اسلامی، 2006، ص34

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

Sex and the Single Girl نے غیر شادی شدہ عورتوں کو جنسی آزادی کے اصول سکھا کر ایک نئے فکری انقلاب کی بنیاد رکھی۔ نتیجتاً شادی اور خاندان جیسے ادارے کمزور ہوئے اور آزاد جنسی تعلقات کو سماجی طور پر قبولیت ملنے لگی۔[13]

ہم جنس پرستی اور اس کی تحریک کا آغاز

ہم جنس پرستی کی تحریک کی جڑیں بیسویں صدی کی دہائیوں میں پیوست ہیں، تاہم اس تحریک نے نمایاں شکل 1969ء کے Stonewall Riots کے بعد اختیار کی، جب نیویارک میں ہم جنس پرست افراد نے پولیس کے جبر کے خلاف احتجاج کیا۔ یہ واقعہ LGBT (Lesbian, Gay, Bisexual, Transgender) تحریک کی علامت بن گیا، اور تب سے ہر سال "Pride Month" کے طور پر منایا جاتا ہے۔

ذہنی مرض سے جنسی شناخت تک

ابتداً، ہم جنس پرستی کو ایک نفسیاتی بیماری تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن 1973ء میں American Psychiatric Association نے اسے ذہنی بیماریوں کی فہرست سے خارج کر کے صرف ایک "جنسی رویے" کا عنوان دیا، جو جنسی انقلاب میں ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوا۔

جنسی رویوں میں سماجی تبدیلی

2002ء تک امریکی معاشرے میں ہم جنس پرستی کے خلاف نفرت میں نمایاں کمی واقع ہوئی۔ 1973 میں 75٪ افراد اسے برا سمجھتے تھے، جب کہ 2002 میں یہ شرح 55٪ رہ گئی۔ یہ تبدیلی میڈیا، تعلیمی نظام، اور انسانی حقوق کے بیانیے کی مرہونِ منت ہے۔

جنسی اظہار کی آزادی کا آغاز

1960 اور 1970 کی دہائیوں میں مغربی دنیا میں فحاشی اور فحش نگاری کے حوالے سے کئی قانونی و اخلاقی مباحث سامنے آئے۔ ان مباحث نے جنسی انقلاب (Sexual Revolution) کو فروغ دیا، جس نے روایتی جنسی اخلاقیات کو چیلنج کیا۔

فحش صنعت (Porn Industry) کی ترقی

فحش نگاری جلد ہی ایک منافع بخش صنعت بن گئی۔ میگزین، فلمیں، کتابیں اور اشتہارات کے ذریعے اسے ایک "mainstream" تجارتی میدان بنا دیا گیا، جہاں جنسی مواد نہ صرف بیچا گیا بلکہ اسے "آزادی اظہار" کا حصہ بھی قرار دیا گیا۔

جنسی تعلیم کی آڑ میں فکری استحصال

عوام کو جنسی تعلیم کے نام پر یہ باور کروایا گیا کہ وہ اس موضوع پر "ناواقف" ہیں، لہٰذا فحش مواد ان کی "تعلیم" کے لیے ضروری ہے۔ یہ عمل معاشرے میں جنسی بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط کا باعث بنا۔

صیہونی تحریک کی بنیادیں

صیہونی تحریک کے نظریاتی اہداف کا سراغ 1897ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل میں ہونے والی پہلی عالمی صیہونی کانفرنس سے ملتا ہے، جس میں "یہودی پروٹوکولز (Protocols of the Elders of Zion)" جیسے منصوبے پیش کیے گئے، جن میں مذہب، روایت، اور خاندانی نظام کے خلاف بغاوت نمایاں تھی۔

اقوام متحدہ اور عالمی اداروں پر قبضہ

دوسری جنگِ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کے قیام نے صیہونی عزائم کو تقویت دی۔ متعدد عالمی اداروں جیسے:

- WHO (World Health Organization)
- UNESCO

[13] فاروقی، طلعت۔ نسوانیت اور جدید مغربی نظریات۔ لاہور: دارالفکر، 2011، ص 122

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

- FAO
- ILO
- IMF
- World Bank

ان اداروں میں کلیدی عہدوں پر یہودی حضرات فائز ہوئے، جنھوں نے عالمی پالیسیوں کو اپنی مخصوص نظریاتی سمت میں ڈھالا۔

عالمی میڈیا، سنیما، اور فیشن انڈسٹری پر کنٹرول

صیہونی نظریات نے نہ صرف تعلیمی اور مالیاتی اداروں کو متاثر کیا بلکہ میڈیا، فیشن، اور فلم انڈسٹری کے ذریعے عوامی ذہن سازی کو بھی اپنی گرفت میں لیا۔ جنسی انقلاب درحقیقت ثقافتی جنگ کا ایک حصہ تھا، جس کا ہدف مغربی معاشروں کو مذہبی اور اخلاقی روایات سے کاٹنا تھا۔

ہم جنس پرستی، فحاشی، اور جنسی آزادی کے نام پر ہونے والی تحریکات صرف فرد کی آزادی یا شناخت کی بازیابی کا معاملہ نہیں، بلکہ یہ ایک منظم نظریاتی و تہذیبی یلغار کا حصہ ہیں۔ ان تحریکات نے جہاں معاشرتی اقدار کو چیلنج کیا، وہیں مذہبی اخلاقیات اور خاندانی نظام کو بھی زوال سے دوچار کیا۔ صیہونی تحریک کا کردار، مغربی اداروں پر اس کا اثر، اور جنسی آزادی کے بیانیے کی پشت پر موجود سیاسی و ثقافتی عزائم، ایک ایسے عالمی منظر نامے کی تشکیل کرتے ہیں جو مسلم دنیا کے لیے سنجیدہ فکری و عملی چیلنج ہے۔

جنسی رجحانات میں تبدیلی

جنسی انقلاب سے قبل رومانوی اور جنسی تعلقات صرف مرد اور عورت کے درمیان فطری سمجھے جاتے تھے۔ باقی تمام جنسی رویے معاشرتی، قانونی اور اخلاقی طور پر انحرافات (deviations) تصور کیے جاتے تھے۔ تاہم جنسی انقلاب کے بعد مغربی معاشرے میں جنسی شناخت کو متعدد اقسام میں تقسیم کیا جانے لگا جن میں نمایاں اقسام درج ذیل ہیں:

1. Heterosexuality – مخالف جنس کی طرف رغبت
2. Homosexuality – ہم جنس کی طرف رغبت
3. Bisexuality – دونوں اصناف کی طرف رغبت
4. Asexuality – کسی بھی صنف میں دلچسپی نہ ہونا

یہ تبدیلی صرف شناخت کی حد تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے قانون، معاشرت اور تعلیم تک اثرات مرتب کیے۔

قبل از نکاح جنسی تعلقات کی اجازت

اس انقلاب کا ایک بڑا مظہر غیر شادی شدہ نوجوانوں میں جنسی تعلقات کو معاشرتی قبولیت دینا تھا۔ جنسی اباحت کو باقاعدہ نظریاتی بنیاد فراہم کرنے والے محققین میں ایرا ایل ریس (Ira L. Reiss) پیش پیش تھے۔ انہوں نے قبل از ازدواج جنسی تعلقات پر متعدد اہم تحقیقی کتب تحریر کیں، جن میں درج ذیل نمایاں ہیں:

- Double Standard in Premarital Intercourse: A Neglected Concept
- Scaling of Premarital Sexual Permissiveness
- Sexual Renaissance: A Summary and Analysis
- Social Class and Premarital Sexual Permissiveness

اسی موضوع پر **رابرٹ بیل** (Robert Bell) کی کتاب *Premarital Sex in a Changing Society* اور جان گیگنان (John Gagnon) کی کتاب *Premarital Intercourse and Interpersonal Relationships* قابل ذکر ہیں۔

شادی کے علاوہ غیر فطری تعلقات کی قبولیت

سیکولر سوچ کے مطابق انسان کے اندر موجود مختلف جنسی رویے (sexual behaviors) جینیاتی یا نفسیاتی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ:

- ہم جنس پرستی (Homosexuality)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

- رمشت زنی (Masturbation)
- سادیت پسندی (Sadism)
- مازوخیت (Masochism)
- پیڈوفیلیا (Pedophilia)
- فیشی ازم (Fetishism)

یہ سب اب جنسی رجحانات کی "فطری اقسام" میں شمار کیے جانے لگے ہیں۔

جج بن لنڈسے (Judge Ben Lindsey) کے مطابق:

"اگر کوئی فرد اپنی جنسی روش میں دوسروں کے حقوق کا لحاظ رکھتا ہے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے، جس طرح کہ مذہب یا سیاست میں انسان کو آزادانہ انتخاب کا حق حاصل ہے۔"

جنسی تعلیم اور مذہبی اخلاقیات کا فاصلہ

جدید مغربی فکر میں اخلاقیات کو مذہب سے علیحدہ کر کے خالصتاً عقلی بنیادوں پر استوار کر دیا گیا۔ افادیت پرستی (Utilitarianism) کو اخلاقیات کی بنیاد قرار دیا گیا کہ جو رویہ معاشرے کے لیے نفع بخش ہو، وہی اخلاقی ہے۔

ویل ڈیورانٹ (Will Durant) لکھتے ہیں:

"اخلاقیات کا سب سے اہم کام جنسی خواہش کو نظم دینا ہے، کیونکہ افزائشِ نسل کی جبلت شادی سے پہلے اور بعد میں سماجی خلفشار پیدا کر سکتی ہے۔"

جنس اور صنف (Gender) کے نئے معیارات

Jeffrey Escoffier کے مطابق:

"جنسی انقلاب صرف جنسی عمل میں اضافہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی اور ثقافتی انقلاب تھا۔ خواتین کی جنسی خواہشات کی نئی تشریحات، تجرباتی رجحانات، اور مرد و عورت کے تعلقات میں نئی تبدیلیاں اس انقلاب کا حصہ ہیں۔"

جنسی تعلیم پر جنسی انقلاب کے اثرات

جنسی تعلیم (Sex Education) کا آغاز ابتدا میں "اخلاقی پاکیزگی"، "خود پر کنٹرول" اور "صحت عامہ" کی بنیاد پر ہوا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ اس کے مقاصد اور دائرہ کار میں وسعت آتی گئی۔

- 1914 میں *The American Social Hygiene Association* کے قیام کے بعد باقاعدہ جنسی تعلیم کا آغاز ہوا۔
- 1950s–60s میں جنسی تعلیم میں مشت زنی، تولیدی نظام اور بلوغت جیسے موضوعات شامل ہوئے۔
- 1970s–80s میں مانع حمل، جنسی رضامندی (consent)، اور جنسی ہراسانی جیسے سماجی و قانونی پہلوؤں کو بھی شامل کر لیا گیا۔

جنگ عظیم دوئم اور جنسی تعلیم میں تبدیلی

جنگ عظیم دوم کے بعد سپاہیوں میں جنسی امراض (Syphilis, Gonorrhoea) کی افزائش نے حکومتوں کو مجبور کیا کہ جنسی تعلیم کو لازمی نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ صحت عامہ کو بہتر بنایا جا سکے۔

جامع جنسی تعلیم

یورپ اور امریکہ میں رائج جامع جنسی تعلیم (Comprehensive Sex Education) کا بنیادی مقصد نوجوانوں کو جنسی تعلقات، تولیدی صحت، مانع حمل ذرائع، اور جنسی امراض سے آگاہی فراہم کرنا ہے۔ اس ماڈل کے تحت جنسی خواہش کو انسان کا بنیادی حق تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے اظہار کو اخلاقیات،

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مذہب، اور معاشرتی روایات سے علیحدہ کر کے دیکھا جاتا ہے۔ اس تعلیمی ماڈل میں لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان جنسی آزادی کا مساوی تصور پیش کیا جاتا ہے۔ نصاب میں کنڈوم کے استعمال، مانع حمل ادویات، اور تولیدی صحت کے دیگر پہلوؤں پر زور دیا جاتا ہے تاکہ نوجوان غیر ارادی حمل اور جنسی امراض سے محفوظ رہیں۔ تاہم، ان پروگرامز میں اکثر اوقات جنسی تعلقات کو صرف جسمانی یا طبّی مسئلہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے، جبکہ اخلاقی اور روحانی پہلو نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ امریکہ میں جنسی تعلیم ایک غیر مرکزی (decentralized) نظام کے تحت نافذ کی گئی ہے جس کی وجہ سے مختلف ریاستوں میں اس کا نصاب مختلف ہے۔ بعض اسکول والدین کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے لیے مخصوص موضوعات کا انتخاب کریں۔ حیرت انگیز طور پر امریکہ میں بعض بچے نرسری یا کنڈرگارٹن کے درجے میں ہی جنسی موضوعات سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔[14]

اگرچہ یہ نصاب نوجوانوں کو جنسی عمل سے باز رہنے (abstinence) کی ترغیب بھی دیتا ہے، لیکن بوس و کنار، جسمانی قربت اور دیگر متبادل طریقے جنسی تسکین کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ رویہ نوجوانوں کو عملِ مباشرت کی طرف مائل کر دیتا ہے، کیونکہ وہ ضبطِ نفس میں ناکام رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں، ہم جنس پرستی، احتلام اور دیگر حساس موضوعات کو معمول کی حقیقت کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ مارکیٹ میں دستیاب کنڈوم کی اقسام اور ان کے استعمال کے طریقے بھی تدریس کا حصہ ہیں، جو معاشرتی حیاء کے منافی ہے۔ اس تعلیم کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اگر تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود بھی حمل ہو جائے تو عورت کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ وہ بچے کو پالے، کسی اور کو دے، یا حمل ساقط کر دے۔ یہ طرزِ فکر مغرب میں خاندانی نظام کے انہدام اور شادی کے بغیر جنسی رجحانات میں اضافے کا باعث بن رہا ہے۔

شادی سے قبل جنسی پرہیز: متبادل مگر متنازعہ ماڈل

Abstinence-Only Education یا شادی سے قبل جنس سے پرہیز پر مبنی تعلیمی ماڈل امریکہ میں وفاقی اعانت سے چلنے والے پروگرامز کے تحت متعارف کیا گیا۔ اس نظریے کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ نوجوانوں کو شادی سے پہلے ہر قسم کے جنسی تعلق سے اجتناب کرنا چاہیے، اور یہی غیر ارادی حمل اور جنسی بیماریوں سے بچاؤ کا مؤثر ترین طریقہ ہے۔ یہ ماڈل مانع حمل ذرائع اور کنڈوم سے متعلق معلومات کو نصاب سے خارج کرتا ہے، کیونکہ ان کے بقول یہ معلومات نوجوانوں کو جنسی تجربات کی ترغیب دیتی ہیں۔ اس نظریے کے تحت جنسی تعلیم کا مرکز اخلاقیات اور مذہب ہوتا ہے، جس میں نوجوانوں کو جنسی جذبات کو قابو میں رکھنے اور شادی کے بعد جنسی تعلق قائم کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔[15]

تاہم، اس ماڈل کو تنقید کا بھی سامنا ہے۔ National Abstinence Education Association کے مطابق عوامی سطح پر جامع جنسی تعلیم کو زیادہ پذیرائی حاصل ہے۔ ۲۰۰۴ء کے ایک NPR سروے کے مطابق ۸۰ فیصد والدین نے اعتراف کیا کہ جامع جنسی تعلیم نے ان کے لیے بچوں سے ان حساس موضوعات پر بات کرنا آسان بنا دیا ہے۔ Abstinence ماڈل کے مخالفین کا کہنا ہے کہ یہ پروگرام نوجوانوں کو خوف زدہ کرتے ہیں، جنسی امراض کے اعداد و شمار میں مبالغہ کرتے ہیں، اور حقیقت پسندانہ معلومات کی بجائے جذباتی ترغیب اور دباؤ کو فروغ دیتے ہیں۔ جبکہ جامع تعلیم کے حامی نوجوانوں کے جذبات اور فطری میلانات کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے لیے "محفوظ" اور "متوازن" طریقے اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔[16]

یورپ اور امریکہ میں رائج جنسی تعلیم کے دونوں بڑے ماڈلز—جامع تعلیم اور جنس گریز تعلیم—اپنے اپنے مقام پر تنقید کا سامنا کر رہے ہیں۔ جامع تعلیم میں اخلاقیات اور مذہبی اقدار کو نظر انداز کیا جاتا ہے، جبکہ جنس گریز تعلیم میں حقیقت پسندی کا فقدان نظر آتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان توازن پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ نوجوان نسل نہ صرف جنسی صحت کے بارے میں واقف ہو بلکہ اعلیٰ اخلاقی معیار کی پابندی بھی سیکھے۔ اسلامی تعلیمات کے تناظر میں دیکھا جائے تو جنسی تعلیم کو اخلاقی، روحانی اور معاشرتی اقدار کے ساتھ جوڑ کر پڑھانے کی ضرورت ہے، تاکہ فرد کی اصلاح اور خاندان کی بقاء دونوں ممکن ہو سکیں۔

---

[14] عبدالغفور، محمد۔ مغرب میں خاندانی نظام کا بحران۔ لاہور: مکتبہ تجدید فکریات، 2018، ص 221

[15] شفیق، ڈاکٹر خالد۔ اسلام اور مغربی معاشرتی نظریات: ایک تقابلی مطالعہ۔ کراچی: دارالعلم، 2019، ص 132

[16] الیاس، مولانا۔ نوجوان اور جدید فکری چیلنجز۔ لاہور: ادارہ علم و حکمت، 2015، ص 298

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نتائج

1. جدید جنسی تعلیم نے روایتی خاندانی نظام کو متاثر کیا ہے، جس کے نتیجے میں طلاق کی شرح میں اضافہ، ازدواجی بندھن کی کمزوری اور سنگل پیرنٹ فیملیز کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔
2. نوجوان نسل میں نکاح کی اہمیت کم ہوتی جا رہی ہے اور اس کے بجائے ہم باشی (cohabitation) اور عارضی تعلقات کو معمول بنایا جا رہا ہے۔
3. جنسی آزادی کو "انسانی حق" قرار دینے سے عفت، حیاء اور روایتی اخلاقی اقدار کمزور ہوئی ہیں، اور جنسی رویوں میں حدود کی شناخت دھندلا چکی ہے۔
4. جدید جنسی تعلیم نے ہم جنس پرستی کو "متبادل جنسی رجحان" کے طور پر قبول کیا ہے، جس کے نتیجے میں LGBTQ+ تحریک کو سماجی و قانونی تحفظ حاصل ہوا۔
5. اسکولوں میں جنسی تعلیم کے باعث نابالغ بچوں میں قبل از وقت جنسی رجحانات پیدا ہو رہے ہیں، جس سے ان کی نفسیاتی اور اخلاقی تربیت متاثر ہو رہی ہے۔
6. جنسی آزادی کے ماحول نے جنسی جرائم کی نوعیت کو بدل دیا ہے؛ بعض اوقات رضامندی اور استحصال کے درمیان فرق مٹ جاتا ہے، اور کم عمر بچوں کے خلاف جرائم میں اضافہ ہوا ہے۔
7. جنسی شناخت کا بحران (gender identity crisis)، ذہنی دباؤ، اور خودکشی کی شرح میں اضافہ جیسی پیچیدگیاں سامنے آئی ہیں، جو جنسی آزادی کے منفی اثرات کا حصہ ہیں۔
8. یورپی معاشرے میں مذہبی طبقات اور سیکولر قوتوں کے درمیان جنسی تعلیم اور اخلاقیات کے حوالے سے کشمکش میں اضافہ ہوا ہے۔
9. نکاح سے دوری اور مانع حمل ذرائع کے عام ہونے سے شرح پیدائش میں کمی آئی ہے، جس سے یورپی آبادی کا توازن متاثر ہوا ہے۔
10. یورپ کی جنسی اقدار نے مسلم اقلیتوں اور مہاجرین کے ساتھ تہذیبی فاصلے کو بڑھایا ہے، اور سماجی ہم آہنگی کو مشکل بنایا ہے۔

سفارشات

1. جنسی تعلیم کو صرف حیاتیاتی معلومات تک محدود نہ رکھا جائے، بلکہ اس میں مذہبی، اخلاقی اور خاندانی اقدار کو بھی شامل کیا جائے تاکہ متوازن تربیت ہو سکے۔
2. بچوں کی جنسی تربیت میں والدین کا کردار مرکزی ہونا چاہیے۔ انہیں اس حوالے سے رہنمائی فراہم کی جائے تاکہ وہ اپنی اولاد کی اخلاقی تربیت بہتر انداز میں کر سکیں۔
3. نابالغ بچوں کو قبل از وقت اور غیر ضروری جنسی معلومات فراہم کرنے سے اجتناب کیا جائے، تاکہ ان کی معصومیت اور فطری ترقی محفوظ رہے۔
4. جنسی تعلیم کے نصاب میں مختلف ثقافتوں اور مذاہب کے نظریات اور حساسیت کو مدِ نظر رکھا جائے، بالخصوص ان اقلیتوں کے لیے جو روایتی یا مذہبی اقدار کی حامل ہیں۔
5. جنسی تعلیم کو خاندانی نظام کے استحکام، نکاح کی اہمیت اور باہمی ذمہ داریوں کی وضاحت کے لیے استعمال کیا جائے۔
6. تعلیم و تربیت میں ایسے تصورات کی ترویج سے گریز کیا جائے جو نوجوان نسل کو ہم جنس پرستی یا جنسی انارکی کی طرف راغب کریں۔
7. نوجوانوں کے لیے مشاورت (counseling) اور رہنمائی کے مراکز قائم کیے جائیں تاکہ وہ جنسی شناخت، تعلقات اور اخلاقی معاملات میں بہتر فیصلے کر سکیں۔
8. مسلم اقلیتوں اور اسلامی معاشروں کے لیے جنسی تعلیم کا ایک ایسا ماڈل تیار کیا جائے جو قرآن و سنت کی روشنی میں ہو، اور جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

9. اسکولوں، کالجوں اور جامعات کو چاہیے کہ وہ جنسی تعلیم کے ساتھ ساتھ کردار سازی اور اخلاقی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دیں۔
10. اقوام متحدہ، یورپی یونین اور دیگر اداروں کو چاہیے کہ وہ جنسی تعلیم کے پالیسی دستاویزات میں اخلاقی و مذہبی حساسیت کو تسلیم کریں اور ان پر عمل درآمد کی ضمانت دیں۔

خلاصہ

یورپ میں جنسی تعلیم اور جدید جنسی انقلاب ایک طویل تاریخی، فکری اور سماجی ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ عیسائی کلیسا کی فکری ناکامی، نشاۃ ثانیہ کے دور میں سائنسی اور عقلی بیداری، پروٹسٹنٹ تحریک اور صنعتی انقلاب جیسے عوامل نے مذہب کی گرفت کو کمزور کرتے ہوئے فرد کی آزادی، بالخصوص جنسی آزادی کے رجحانات کو فروغ دیا۔ سرمایہ دارانہ نظام نے ان خواہشات کو تجارتی منافع کے ساتھ جوڑ کر فحاشی، مانع حمل ذرائع اور ہم جنس پرستی جیسے رویوں کو عام کیا۔ تعلیم اور میڈیا نے جنسی آزادی کو اخلاقی اقدار سے الگ کر کے ایک فرد کا ذاتی حق بنا کر پیش کیا۔ 1980ء کے بعد مغربی تعلیمی اداروں میں جنسی تعلیم کو ایک باقاعدہ نصاب کی صورت میں شامل کیا گیا جس میں تولیدی صحت، جنسی تعلقات، مانع حمل ذرائع، اور جنسی رجحانات جیسے موضوعات کو "سائنس" اور "آزادی" کے پردے میں پڑھایا جانے لگا۔ اس تعلیم کا عمومی رویہ مذہب سے لاتعلقی، اخلاقیات سے انحراف اور فرد کی خواہش کو مطلق درجہ دینا ہے، جو رفتہ رفتہ خاندانی نظام، شرم و حیاء اور سماجی ہم آہنگی کو نقصان پہنچا رہا ہے۔

مصادر و مراجع

1. ایٹین گلزون۔ تھامس اکیناس کی عیسائی فلسفہ۔ ترجمہ: احمد فاروق۔ لاہور: ادارہ علوم اسلامی، 2001
2. چارلس نوئرٹ۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کی ثقافت اور انسان دوستی۔ ترجمہ: خرم یاسین۔ کراچی: دار العلم، 2015
3. مارٹن لوتھر۔ جرمن قوم کے نام خطاب۔ ترجمہ: طاہر محمود۔ اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف کرسچن اسٹڈیز، 1999
4. پیٹر گے۔ عہدِ تنویر: ایک فکری تجزیہ۔ ترجمہ: ڈاکٹر حسن جاوید۔ کراچی: شعور جدید پبلیکیشنز، 2010
5. سلیم احمد۔ جدیدیت اور انسان پرستی۔ لاہور: ادارہ فکر و دانش، 2005
6. اکرم، محمد۔ تاریخ عالم کا مطالعہ۔ لاہور: مکتبہ دار العلوم، 2010
7. نذیر، خالد۔ سرمایہ داری اور جنسی اخلاقیات۔ لاہور: ادارہ علم و دانش، 2015
8. رضوی، علی احمد۔ انقلاب روس اور جدید نظریات۔ کراچی: انجمن ترقی اردو، 1998
9. علوی، خالد۔ عالمگیریت اور اسلامی تہذیب۔ اسلام آباد: ادارہ فکر اسلامی، 2006
10. فاروقی، طلعت۔ نسوانیت اور جدید مغربی نظریات۔ لاہور: دار الفکر، 2011
11. عبدالغفور، محمد۔ مغرب میں خاندانی نظام کا بحران۔ لاہور: مکتبہ تجدید فکریات، 2018
12. شفیق، ڈاکٹر خالد۔ اسلام اور مغربی معاشرتی نظریات: ایک تقابلی مطالعہ۔ کراچی: دار العلم، 2019
13. الیاس، مولانا۔ نوجوان اور جدید فکری چیلنجز۔ لاہور: ادارہ علم و حکمت، 2015

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

Bibliography

1. Etienne Gilson. Christian Philosophy of Thomas Aquinas. Translated by Ahmad Farooq. Lahore: Idara-e-Uloom-e-Islami, 2001.
2. Charles Nauert. The Culture of the Renaissance and Humanism in Europe. Translated by Khurram Yaseen. Karachi: Dar al-Ilm, 2015.
3. Martin Luther. Address to the German Nation. Translated by Tahir Mahmood. Islamabad: Institute of Christian Studies, 1999.
4. Peter Gay. The Enlightenment: An Intellectual Analysis. Translated by Dr. Hassan Javed. Karachi: Shaoor-e-Jadeed Publications, 2010.
5. Saleem Ahmed. Modernism and Humanism. Lahore: Idara Fikr o Danish, 2005.
6. Muhammad Akram. A Study of World History. Lahore: Maktaba Darul Uloom, 2010.
7. Khalid Nazir. Capitalism and Sexual Ethics. Lahore: Idara Ilm o Danish, 2015.
8. Ali Ahmad Rizvi. The Russian Revolution and Modern Ideologies. Karachi: Anjuman Taraqqi Urdu, 1998.
9. Khalid Alvi. Globalization and Islamic Civilization. Islamabad: Idara Fikr Islami, 2006.
10. Talat Farooqi. Feminism and Modern Western Theories. Lahore: Dar al-Fikr, 2011.
11. Muhammad Abdul Ghafoor. The Crisis of Family System in the West. Lahore: Maktaba Tajdeed Fikriyat, 2018.
12. Dr. Khalid Shafiq. Islam and Western Social Theories: A Comparative Study. Karachi: Dar al-Ilm, 2019.
13. Maulana Ilyas. Youth and Modern Intellectual Challenges. Lahore: Idara Ilm o Hikmat, 2015.